# ہندوستان میں
# عزاداری امام حسینؑ کی ابتداء
# فروغ اور دور انحطاط

پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین
جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

ہندوستان میں عزاداری امام حسینؑ کی روایت ۱۳ویں صدی عیسوی سے ملتی ہے۔ اس میں بعض صوفیاء کرام کا بھی حصہ کہا جاسکتا ہے۔ اس زمانے سے صوفیاء نے ہندوستان میں خانقاہیں تو قائم ہی کیں مگر بعض صوفیاء نے امام باڑے بھی تعمیر کئے۔ مندر اور مسجد، دونوں کے دروازے دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے لئے بند تھے۔ اس کے برعکس خانقاہ اور امام باڑے کا مزاج ان سے بالکل مختلف تھا۔ ان کے دروازے دوسرے مذاہب کے لوگوں کیلئے کھلے ہوئے تھے اور وہ مزاج آج تک قائم ہے۔ یہاں ہونے والی مجالس میں بلا تفریق مذہب وملت لوگ شریک ہوتے ہیں۔ عزاداری امام حسین کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور عہد سلطنت ۱۲۰۶ء سے ۱۵۲۶ء تک دوسرا دور ۱۵۲۶ء سے ۱۷۵۷ء تک تیسرا دور ۱۷۵۷ء سے ۱۹۴۷ تک اور چوتھا دور ۱۹۴۷ کے بعد کا زمانہ۔

عزاداری امام حسین کی بنیاد قرآن کے ۲۵ویں پارے کی ۳۲ویں آیت، قل لا اسئلکم علیه اجراً الال مودة فی القربی "کہہ دیجئے کہ میں تم سے اجر طلب نہیں

کر تا بجز اس کے کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو" اہل سنت اور اہل تشیع کے متفقہ دینی پیشوا حضرت میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ نے تو اس موضوع پر ایک کتاب تصنیف فرمائی اور اس کا نام انہوں نے مودۃ القربیٰ رکھا۔ اس آیت کی تفسیر وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں "آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے اے لوگو! تم خدا کو دوست رکھو اس لئے کہ اس نے اپنی نعمتیں تم کو عطا فرمائیں اور محبت خدا کے لئے مجھ سے محبت رکھو اور میری محبت کے لئے میرے اہل بیت کو دوست رکھو۔ پس آل نبیؐ کی دوستی کی بابت سوال کیا گیا اور وہ ہم سے طلب کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب عربی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ اپنی امت سے اپنے ذوالقربیٰ کی دوستی کے سوا اور کچھ طلب نہ کریں اور یہ دوستی ان کے لئے باعث نجات آخرت ہے اور آنحضرت اور ان کے اہلبیت اطہار سے توسل کا ذریعہ ہے جو کوئی خدا تک پہونچنے اور اس کی جناب میں مقبول ہونے کا طالب ہوا اس پر واجب ہے کہ رسولؐ خدا سے محبت رکھے اور اہل بیت رسولؐ خدا سے محبت رکھے اور اہل بیت رسولؐ کی دوستی اختیار کرے اور یہ بات آنحضرت کے آل اطہار کے فضائل کی معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی" آخر میں میر سید علی ہمدانی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کا نام مودۃ القربیٰ رکھا تاکہ مجھ کو اللہ تعالیٰ اور اس کو ان حضرات سے میرے علاقائی ہونے کا ذریعہ بنائے گا اور ان کے ذریعے سے مجھ کو نجات عطا فرمائے گا۔ رباعی میں فرماتے ہیں۔

گر حب علی و آل نبوت نبود　　امید شفاعت ز رسولت نبود
در طاقت حق جملہ بجا آوری تو　　بے مہر علی ہیچ قبولیت نبود

صوفیائے کرام اسلام پر قائم تھے۔ ایک قرآن دوسرے سنت نبوی صلی اللہ علیہ

ولہ وسلم اور تیسرے محبت اہل بیت رسولؐ۔ امام جعفر صادق صوفی کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔ "من عاشق فی باطن الرسول فهو صوفی"[۲] جو شخص اخلاق رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے آراستہ ہو جاوے اور اس امر کو اختیار کرے جو رسولؐ نے اختیار فرمایا اور رغبت کرے اس طرف جدھر رسولؐ نے رغبت فرمائی اور پرہیز کرے اس سے جسے رسولؐ نے چھوڑا تو گویا اس نے صفائے قلب حاصل کر لیا" صوفیا نے کبھی اپنے آپ کو کسی فرقے سے منسلک نہیں کیا۔ کسی صوفی کے ملفوظات میں یہ نہیں ملتا کہ ان کا تعلق کسی خاص فرقے سے تھا۔ وہ فرقہ واریت کے اصولی طور سے قائل ہی نہ تھے۔ ان کی خانقاہیں اسلامی اتحاد کا قوی و مستحکم حصار تھیں جہاں باہمی اخوت اور ہمدردی کی پائیداری بنیاد پڑی تھیں۔

ہندوستان آکر صوفیاء نے اسلامی کی تبلیغ کی۔ قرآن و سنت نبوی پر عمل کرنے کی ہدایت اور اہل بیت نبوی سے محبت۔ ان کی تبلیغ کے یہی دو محور تھے۔ صوفیا اپنے دور دراز وطن سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور ہندوستان کے مختلف شہروں، قصبات اور گاؤں میں سکونت اختیار کر کے اپنی خانقاہوں کی بنیاد ڈالی اور اس طرح انہوں نے شمالی ہندوستان میں اپنی روحانی ولایتیں قائم کیں۔ کئی صوفی سلسلے آئے جن میں چشتی اور سہروردی سلسلوں نے ہندوستان میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا۔ چشتی صوفیاء نے پہلے اجمیر اور اس کے بعد دہلی کو اپنا مرکز بنایا۔ سہروردی صوفیاء نے ملتان کو اپنا مرکز بنایا۔ ان صوفیاء نے خاص طور سے قصبات اور گاؤں میں تبلیغ کا کام کیا۔ قصبات اور گاؤں میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ ان حالات میں وہاں جا کر رہنا خود ایک جہاد تھا اس لئے کہ صوفیاء صرف مسلمانوں میں ہی تبلیغ نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ہندوؤں کے درمیان رہ کر

بھی تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دیتے تھے اس کے لئے انہوں نے خانقاہ کے دروازے ہندوؤں کے لئے کھول دیئے۔ صوفیاء کے اس تبلیغی مشن نے ہندوؤں کو کافی متاثر کیا اور اس طرح سے اسلام کی تعلیمات ہندوؤں تک پہنچیں۔

نہ جانے کیوں شیعہ حضرات میں صوفی تحریک اور صوفیاء کے بارے میں یہ سمجھ پیدا ہو گئی یا پیدا کر دی گئی کہ تصوف اور صوفیاء سے شیعوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی وجہ لاعلمی بھی ہو سکتی ہے، اسی طرح اہل سنت حضرات بھی یہ سمجھتے ہیں کہ شیعوں کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔ ۱۶ویں صدی عیسوی کے ایک شیعہ عالم قاضی سید نور اللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المومنین [۳] میں ایک باب تصوف پر بھی قائم کیا ہے اور اس کے متعلق مسائل سے بحث کی ہے اور اسی کے ساتھ کچھ صوفیاء کی سوانح بھی قلم بند کی ہیں۔ اور تصوف کو مذہب حقہ کہا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہندوستان کے زیادہ تر سادات اثناء عشری کے مورث اعلیٰ صوفیاء ہی تھے۔ سادات امروہہ ضلع مراد آباد کے سید شرف الدین شاہ ولایت، سادات میمن، ضلع بجنور کے سید اشرف، سادات سری نگر اور سادات جلائی، ضلع علی گڑھ کے میر سید علی ہمدانی، سادات سرسی ضلع مراد آباد کے شاہ ولایت اور اسی طرح سے زیادہ تر دوسرے قصبات کے سادات اثنا عشری بھی صوفیاء ہی کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

انہیں صوفیاء نے مودۃ القربیٰ کے لئے عزاداری امام حسین کو ایک ذریعہ بنایا۔ نذر و نیاز کے طریقے اور عزاداری کی رسومات صوفیاء نے قائم کیں۔ یہ سب توسل اہل بیت کے طریقے ہیں۔ عزاداری امام حسین یا اس کی رسومات اور نذر و نیاز کے طریقے کہیں لکھے ہوئے نہیں ہیں بلکہ صوفیاء کے مزاج کے مطابق یہ طریقے سینہ بہ سینہ، پشت در پشت

ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتے رہے۔ ۱۳ویں صدی عیسوی سے لے کر ۲۰ویں صدی کے اختتام تک عزاداری امام حسین اور اس کی رسومات سے متعلق کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ حسین علی کربلائی نے تحفۃ العوام ۴ و ۵ لکھی جس پر زیادہ تر شیعہ علماء و مجتہدین توثیق کرتے رہے۔ اس پر آٹھ جید علماء اثناء عشری کے دستخط موجود ہیں۔ صفحہ ۱۴۲ سے ۱۵۴ تک ۲۰ویں باب میں ماہ محرم کے اعمال میں یہ اعمال صرف شب عاشورا سے لیکر آخر روز عاشور تک کے ہیں۔ حالانکہ حصہ سوم و چہارم کا بعد میں اضافہ بھی کیا گیا لیکن اس اضافہ میں بھی عزاداری امام حسین کے باب کا اضافہ نہیں کیا گیا۔ مقدمہ میں چوتھی فصل میں امامت پر بیان ہے۔ اس میں بھی عزاداری امام حسین یا نذر و نیاز کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ اعمال شب عاشورا سے لیکر آخر روز عاشورا تک صرف پانچ گھنٹے میں ختم ہو جاتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عزاداری امام حسین کا جو سلسلہ پہلی محرم سے بارہ محرم تک ہوتا ہے یہ کس کی دین ہے؟ اور اس کا ماخذ کیا؟ اس کے بانی صوفیاء تھے اور اس کا ماخذ صوفیاء اور ان کی نسلوں کے سینے تھے جہاں عزاداری امام حسین کی رسومات محفوظ تھیں جو نسل نسل ایک کے بعد دوسرے کو منتقل ہوتی رہیں۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ عزاداری امام حسین کی کچھ رسومات پر علماء کو اعتراض بھی ہے۔ اس دور میں عزاداری امام حسین پہلی محرم سے بارہ محرم تک اور صرف بیس صفر کو چہلم شہدائے کربلا ہوتا تھا۔ عزاداری کو آٹھ ربیع الاوّل تک جاری رکھنا ۱۸ویں صدی کا اضافہ ہے۔

مجالس کس طرح منعقد کریں، تعزیہ کس طرح بنائیں، علم کس طرح کا ہو وغیرہ وغیرہ یہ سب زبانی تھا۔ ابھی ۱۲/ اپریل ۹۸ء کو اپنے دوست ڈاکٹر نسیم اختر، جناب حسیب احمد اور جناب اقبال کے ہمراہ درگاہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی ؒ زیارت کے واسطے گیا۔

دیکھا کہ درگاہ کے ایک گنبد پر ایک علم نصب ہے۔ یہ علم بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ دس محرم کو جلالی کے بڑے امام باڑے میں سوار ہوتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان علموں کا تعلق صوفی فکر سے ہے اس لئے کہ جلالی میں بھی عزاداری امام حسین صوفیا ہی کی قائم کی ہوئی ہے۔ جلالی میں محرم کی مجالس میں سب سے پہلے وہ مجلس خوانی ہوتی ہے جو آج تک جاری ہے۔ ے اس مجلس میں پہلی مجلس حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور باقی دوسری مجالس اہل بیت اور شہدائے کربلا سے متعلق ہیں۔ ان میں حضرات کے فضائل و مصائب بیان کئے جاتے ہیں۔

صوفیاء نے ہندوستان میں عزاداری امام حسینؑ کے نظام کو اس طرح ترتیب دیا کہ فن کار کاریگر اور مزدور کو نظام عزاداری میں اس کے ہنر کے ساتھ جوڑ دیا۔ حلوائی' بڑھئی ہتھیلیا' درزی کارچوبی والے' ڈھول تاشے والے' مراثی' نان وائی، تیلی' کہار' سقے' فقراء' مالی' اور مجاور وغیرہ۔ اگر ایک کاریگر یا مزدور کو عزاداری امام حسین کا فلسفہ سمجھایا جاتا تو اس کی مجھ میں کچھ نہ آتا۔ اسی لئے ان کو انکے فن کے ساتھ عزاداری امام حسین سے جوڑ دیا تاکہ وہ ان کی زندگی اور فکر کا حصہ بن جائے اس کا عزاداری امام حسین سے دلی لگاؤ پیدا ہو جائے اور اس مشن میں صوفیاء کامیاب ہو گئے۔ ماہرین تعلیم نے تعلیم کو پیشے سے جوڑنے کا سبق تو بیسویں صدی میں دیا' ۸ صوفیاء نے ہندوستان میں عزاداری امام حسین کو پیشے سے جوڑنے کا کام ۱۳ویں صدی عیسوی میں ہی کامیابی کے ساتھ انجام دیدیا تھا۔ اور یہ ان کی بین کرامت تھی۔

عزاداری امام حسینؑ کے مرکز کا نام امام باڑہ رکھا گیا۔ یہ قطعی طور پر ہندوستانی اس طرح تھا کہ اس سے پہلے عرب ایران اور دوسرے مسلم ممالک میں اس نام کا کوئی

ادارہ نہیں تھا۔ اس میں امام کے ساتھ ایک ہندی لفظ باڑہ سے ملا کر امام باڑہ بنادیا۔ تاکہ اس سے اس کا ہندوستانی مزاج جھلکے۔ اس کا نام بڑے غور و فکر کے بعد اس زبان میں نہیں رکھا گیا کہ جس میں قرآن نازل ہوا یا جس زبان کو امام حسینؑ بولتے تھے اور نہ فارسی کا کوئی نام رکھا۔ جب کہ یہی دو زبانیں مذہب اسلام اور اسلامی ثقافت سے قریب تر تھیں۔ یہ صوفیاء کی فکر کا نفسیاتی پہلو تھا اگر باہر کے ناموں اور زبان سے ہندوستان میں کوئی مرکز بنایا جائے گا تو اس کی جڑیں ہندوستانی سماج میں گہری نہ ہو سکیں گی۔ امام باڑے کے دروازے بھی بلا تفریق مذہب و ملت سب کے لئے کھول دیئے گئے۔ یہ ہندوستان میں ایک نیا تجربہ تھا۔ نیچی ذات کے ہندو اگر چہ اپنے مندروں میں نہیں جاسکتے تھے لیکن امام باڑوں میں ہونے والی عزاداری حسینؑ میں شرکت کرنے لگے اور آہستہ آہستہ عزاداری حسینؑ ان کی زندگی کا جزو بن گئی۔ اور اس طرح ہندوستان میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ عزاداری امام حسینؑ میں شرکت کے لئے تبدیلیٔ مذہب کی کوئی شرط نہ تھی۔ اپنے دھرم پر قائم رہ کر نواسۂ رسولؐ کو نذرانۂ محبت پیش کر سکتے تھے۔ دس محرم کو ہندو بھی تعزیوں کی زیارت کرتے اور کربلا کے پیاسے شہیدوں کی یاد میں اپنے محلوں میں شربت کی سبیل لگاتے۔ لوگ اس تبرک کو پیتے وقت من ہی من میں گنگناتے۔

بھارت میں اگر آجاتا یوں پیاسا نہ مارا جاتا

مرقعہ دہلی میں ۱۷۷۱ء سے متعلق ایک بیان ملتا ہے کہ "درگاہ شاہ مرداں میں بارہ محرم کو ایک مجلس عزا ہوتی ہے۔ اس مجلس میں دہلی کا کوئی شخص ایسا نہ ہوتا جو اس میں شرکت نہ کرتا ہو۔ تاحد نگاہ سواریاں ہی سواریاں نظر آتیں۔ مالدار غریب، چھوٹے بڑے غرض کہ سب لوگ ہی شرکت کے لئے یہاں آتے" ۱۷۷۱ء کا یہ بیان بڑی اہمیت کا حامل

ہے کہ اس وقت تک عزاداری امام حسین میں دہلی کے تمام لوگ یعنی ہندو اور مسلمان شرکت کرتے تھے۔[9]

تیرھویں صدی عیسوی سے لیکر سولھویں صدی عیسوی تک عزاداری امام حسین امام باڑوں میں ہوتی اور جلوس کا کوئی رواج نہ تھا۔اس دور میں کچھ سلاطین کے دور میں عزاداری امام حسین خفیہ طور پر ہوئی۔اس لئے کہ خود صوفی تحریک کا قیام مسلمانوں میں موروثی ملوکیت کے خلاف احتجاج کی وجہ سے ہوا جس کے بانی حضرت معاویہ ابن ابوسفیان تھے۔حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید مولانا ضیاء الدین برنی اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں کہ " حضرت معاویہ اور امیر المومنین حضرت عثمان کے دوسرے عزیزوں نے جو اپنے حصہ مملکت میں وسیع علاقوں کے مالک تھے اور قوت اور اقتدار حاصل کر چکے تھے علی مرتضیٰؑ کے خلاف بغاوت و سرکشی کی' ان سے بیعت نہیں کی اور فساد شروع کر دیا۔"[10] امام حسینؑ نے اسی موروثی ملوکیت کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں انکی شہادت واقع ہوئی۔

عجیب سانحہ ہے کہ جس اسلامی سیاسی نظام کی بنیاد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈالی تھی اور جس کی پیروی خلفاء راشدین نے کی وہ تو ۶۶۱ء میں ختم ہو گیا لیکن جس موروثی ملوکیت کی بنیاد معاویہ نے ۶۶۱ء میں ڈالی وہ آج تک مسلم ممالک میں قائم ہے۔سلاطین دہلی بھی بغداد کے موروثی ملوک ہی کی سرپرستی میں ہندوستان میں سلطان کی حیثیت سے حکومت کر رہے تھے۔ظاہر ہے کہ ایسی حکومت میں اعلانیہ طور پر عزاداری امام حسین ممکن نہ تھی۔اس لئے کہ حسین کا نام ہی موروثی ملوکیت کے خلاف احتجاج تھا۔محمد بن تغلق ابن تیمیہ کی فکر سے متاثر تھا۔اس نے صوفی تحریک اور صوفیاء کے

خلاف سخت اقدامات کئے اور اس طرح اس عہد کے مختلف ادوار میں صوفیاء سلطان کے عتاب کا شکار ہوئے۔ خلافت وملوکیت کے مسئلہ پر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے سیر حاصل بحث اسی عنوان پر اپنی کتاب میں کی ہے۔[۱۱]

عزاداری امام حسینؑ ایک مکمل ادارہ ہے۔ جس کی باقاعدہ اصطلاحات ہیں۔ یہ اصطلاحات نہ تو کسی عربی' فارسی یا اردو کی ڈکشنری میں ملیں گی اور نہ ہی شیعہ علماء کی کتابوں میں' عزاداری امام حسین سے متعلق اصطلاحات صوفیاء ہی کی دین ہیں۔ نذر ونیاز علم سے متعلق دو صورتیں ہیں' علم نصب کرنا اور علم سوار کرنا۔ یہ دونوں قطعی طور پر علیحدہ علیحدہ صورتیں ہیں اور انہیں وہی شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس نے عزاداری کے نظام کو بچپن سے دیکھا ہے' سمجھا ہے اور اس پر عمل کیا ہے۔ ان اصطلاحات کا استعمال اردو مرثیہ گو شعراء میر انیس اور مرزا دبیر کے مراثی میں ہوا ہے اور وہ اس لئے کہ یہ مرثیہ گو شعراء تصوف سے حد درجہ متاثر تھے۔

عزاداری حسین کا دوسرا دور سولھویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے جب مغل بادشاہ ہندوستان آئے اور اپنی حکومت قائم کی۔ مغل بادشاہوں کو اہل بیت سے عقیدت تھی۔ اسی لئے انہوں نے عزاداری امام حسینؑ پر کوئی پابندی نہیں لگائی لیکن تورانی علماء اور امراء کو اہل بیت سے ایسی کوئی خاص عقیدت نہ تھی اسی لئے بعض معاملات میں انہوں نے سختی رکھی۔ لیکن ہمایوں کی ایران سے واپسی پر ایرانی علماء اور امراء بھی اس کے ساتھ آئے اور ان کے لئے مغل حکومت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ جس کی وجہ سے ایرانی علماء اور امراء کا ہندوستان آنے کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن اکبر کے عہد کے پہلے دور میں یعنی ۱۵۵۶ء سے ۱۵۸۰ء تک ایرانی علماء امراء اور تورانی علماء اور امراء میں درباری

سیاست اور مذہبی عقائد کو لے کر کشمکش شروع ہو گئی۔ اکبر خود مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری اور شیخ عبدالنبی جیسے علماء کے زیر اثر رہا۔ ۱۲؎ ان کے علاوہ بھی اکبر کے عہد میں دوسرے ایسے عناصر بھی موجود تھے جو چشتی اور سہروردی صوفیاء کی ترکیبی حکمت عملی کے مخالف تھے۔ خود شیخ احمد نقشبندی سرہندی نہ صرف بین المذاہبی رواداری کے قائل نہ تھے بلکہ ان کے نزدیک غیر سنی مسلمان بھی کافروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ ۱۳؎ اکبر نے ایسے عناصر کی پروا کئے بغیر ۱۶۸۰ء میں ہندوستان میں صلح کل کی پالیسی کی بنیاد ڈالی اور تمام مذاہب کے لوگوں کو مذہبی آزادی دی۔ ظاہر ہے کہ اس تبدیلی کا اثر عزاداری امام حسین کی نشر واشاعت کے لئے مددگار ثابت ہوا۔ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں پہلی مرتبہ ایک ایرانی شیعہ عالم سید نوراللہ شوستری کو لاہور کا قاضی بنایا گیا۔ ۱۴؎ ایسی حکومت میں جہاں حنفی فقہ کی پیروی ہوتی تھی۔ اس دور میں عزاداری امام حسینؑ کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ جہانگیر اور شاہ جہاں کے دور میں بھی یہ آزادی رہی۔ جب اورنگزیب بادشاہ بنا تو اس کا رجحان مذہب کی طرف اپنے اجداد سے زیادہ تھا۔ اورنگزیب کو اہل بیت سے بڑی عقیدت تھی۔ اس کے رقعات اور احکامات اسکے اس رجحان کی پوری طرح عکاسی کرتے ہیں۔ اورنگزیب نے اپنے وصیت نامے میں تحریر کیا ہے کہ "لازم السعادات' سادات بارہہ کے ساتھ احترام ورعایت میں کوئی فروگذاشت نہیں کرنی چاہئے اور قل لا اسئلکم علیه اجرا الا مودة فی القربیٰ کی آیت شریفہ کے بموجب عمل کرنا چاہئے کیونکہ آیت کریمہ "کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا بجز اس کے کہ میرے عزیزوں سے محبت کرو" کے مطابق یہ جماعت اجر نبوت کی مستحق ہے۔ اس میں ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہئے کہ دنیا و آخرت میں خیر وفلاح کا باعث ہے' ۱۵؎ یہ وصیت نامہ بارہ

نکات پر مشتمل ہے۔ اسکے متعلق اورنگزیب نے لکھا ہے کہ "اثنا عشر کا عدد مبارک ہے اور وصیت کا اختتام بھی اثنا عشر پر کیا جاتا ہے"۔ ۱۶ ایک اور رقعہ میں لکھتا ہے کہ "سادات سے محبت اور عزت کرنا ہمارے مذہب کا حصہ ہے اور ان سے نفرت اور دشمنی رکھنے والے کے لئے جہنم ہے۔" ۱۷ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب اورنگزیب کا سادات کے بارے میں یہ عقیدہ ہے تو اہل بیت سے کس درجہ مودت ہو گی۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ مغل دور میں اس کے خلاف بھی ذہن موجود تھے۔ صادق خاں' طبقات عالمگیری میں عہد اورنگزیب کا واقعہ لکھتے ہیں کہ جب گلکنڈہ کا محاصرہ چل رہا تھا تو کچھ لوگوں نے صف شکن خاں تورانی سے جو کمانڈر تھا کہا کہ قلعہ تو فتح ہو ہی جائے گا وہاں غذا اور پانی جانے میں زیادہ سختی نہ کریں اس لئے کہ قلعہ کے اندر علماء اور سادات صحیح النسب بھی موجود ہیں۔ صف شکن خاں نے جواب دیا کہ "اگر امام حسینؑ بھی اس قلعہ میں موجود ہوتے تو بھی میں سختی میں کوئی کمی نہ کرتا۔" ۱۸ جب اس واقعہ کی اطلاع اورنگزیب کو ہوئی تو اورنگزیب نے اس کو اس کے منصب سے برطرف کر کے جیل خانے میں ڈلوا دیا۔ فرزند علی مونگیری ملخص التواریخ میں عہد اورنگزیب کا ہی واقعہ لکھتے ہیں کہ "میر جملہ عظیم آباد گئے تو امراء ان کے پاس حاضری کے لئے آئے لیکن نعمت اللہ خاں ایام عاشورا میں عزاداری امام حسینؑ میں مشغول رہنے کی وجہ سے ان ایام کے بعد حاضر ہوئے۔ اس وقت محمد امین خاں بھی موجود تھے۔ میر جملہ نے کہا کہ آپ اتنے روز بعد کیوں آئے۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ ماتم داری میں مشغول تھا اس لئے معافی کا خواستگار ہوں۔ محمد امین خاں نے کہا کہ کیا آپ کے گھر کسی کی موت ہو گئی تھی۔ نعمت اللہ خاں نے کہ شہادت حسینؑ واقع ہوئی ہے۔ محمد امین خاں نے کہا کہ اس کے کیا معنی یزید اور حسینؑ تو ایک دوسرے کے بھائی تھے۔

عجیب بات ہے کہ آپ ایک بھائی کا تو ماتم کریں اور دوسرے کی خوشی میں شامل نہ ہوں۔ نعمت اللہ خاں نے جواب دیا کہ جن سے ہمارا تعلق ہے انہیں شہید کر دیا گیا اس لئے ہم ماتم کرتے ہیں۔ آپ کے بھائی کو فتح حاصل ہوئی آپ خوشیاں منایئے۔[19]

عہد اورنگزیب کے اختتام سے پہلے ہی کشیدگی اور حالات خراب ہونا شروع ہوگئے تھے۔ وحدت الوجودی رویے نے مذہبی امتیازات کو ختم کرنے کی ترغیب دی۔ وحدت الشہودی رویے نے تقسیم کو ہی اپنا نصب العین قرار دیا اور بالآخر اہل اسلام کے مختلف فرقوں میں بھی اتحاد وابلاغ کے تمام وسیلے تباہ کر دیئے گئے۔ شیخ احمد سرہندی کے صاحبزادے شیخ محمد معصوم نقشبندی نے عالمگیر کو شیعوں کا قتل عام کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے لکھا کہ "ابن عباس نے روایت کی کہ آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جن کو روافض کہیں گے۔ یہ اسلام کی توہین کرنے والے اور مشرک ہوں گے ان کو قتل کر دینا"[20] اورنگزیب اس حد تک تو نہ جا سکا تاہم اس کے زمانے میں کچھ معاشی بحران کی بنا پر درباری سیاست اور کچھ مذہبی بنیادوں پر اس کے زمانے میں شیعہ سنی اختلافات نے خراب صورت اختیار کر لی۔ خود اورنگزیب کی تحلیلی حکمت عملی کا نتیجہ صرف یہ نہیں تھا کہ مغل حکومت کی غیر مسلم اکثریت مغائرت کا شکار ہو گئی اور اس کے مراکز تبدیل ہو گئے بلکہ خود مسلمانوں میں فرقہ وارانہ رجحانات شدت اختیار کر گئے۔ امت کا اتحاد ختم ہونا شروع ہو گیا۔ ان تمام حالات کا اثر عزاداری امام حسین پر پڑنا شروع ہوا۔ مغل بادشاہ بہادر شاہ اول کے دور میں شیعہ سنی تنازعات نے فرقہ وارانہ فساد کی شکل اختیار کر لی۔[21] اکبر نے اسلام کو انسان دوستی کے مساوی قرار دیا تھا اور اس سے نسل انسانی کی اجتماعی فلاح مراد لی تھی لیکن اٹھارویں صدی کے مغل ہندوستان میں اسلام کی وسیع تر توجیہہ کو نہ

صرف مسترد کر دیا گیا بلکہ نظری اور عملی دونوں سطحوں پر اسلام کو ایک فرقے کے عقائد میں ضم کر دیا گیا۔

مغل حکومت زوال پذیر ہوئی اور علاقائی حکومتوں کا وجود عمل میں آیا۔ اودھ میں نواب شجاع الدولہ کا عروج ہوا۔ انہوں نے عزاداری امام حسینؑ پر خاص توجہ دی۔ امام باڑوں کو معافیاں دیں تاکہ لوگ عزاداری امام حسین پورے اطمینان وانہماک سے انجام دیں۔ اسی وجہ سے بعض علماء اور دانشوروں کا خیال ہے کہ نوابان اودھ کے عہد میں عزاداری امام حسینؑ کو عروج حاصل ہوا۔ لیکن میری رائے اس سے مختلف ہے اس لئے کہ اٹھارہویں صدی میں ہی عزاداری امام حسین انحطاط کی طرف مائل ہو گئی۔ اگر ہم عزاداری امام حسین کا جائزہ پورے شمالی ہندوستان میں لیں تو اب مسلمانوں میں اتحاد کی جگہ فرقہ واریت نے لے لی تھی۔ اور عزاداری امام حسین کی وسعت ختم ہو رہی تھی۔ محرم میں سنیوں کے جلوس علیحدہ اور شیعوں کے جلوس علیحدہ نکلنا شروع ہو گئے۔ ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد نے تو اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ جس کی وجہ کچھ تو ان سے علحدگی اور کچھ یہ تھی کہ ان کے ہاں خود اصلاحی تحریکیں شروع ہو چکی تھیں۔ فرقہ پرست دانشور اس مسئلے پر ایرانی تورانی حوالوں سے بحث کرتے تھے جس کے نتیجے میں شیعہ سنی اختلافات شدت اختیار کر رہے تھے۔

اسی دور میں شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں میں اتحاد قائم کرنے کے لئے تحریک شروع کی۔ شاہ ولی اللہ کا بھی نسب والدہ کی جانب سے امام موسیٰ کاظم تک پہونچتا ہے۔ ۲۲ شاہ ولی اللہ نے سب سے پہلے اس تورانی تصور کی تردید کی کہ شیعہ مشرک ہیں لہٰذا واجب القتل ہیں۔ ۲۳ اس دور میں نہ صرف فرقہ واریت پیدا ہو چکی تھی بلکہ لسانی عصبیت بھی

اس حد تک پیدا ہو چکی تھی کہ جس وقت شاہ ولی اللہ قرآن کے فارسی ترجمے میں مشغول تھے تو کچھ علماء ان کے مخالف ہو گئے اور ترجمہ کو بدعت قرار دیا۔ ایک دفعہ وہ مسجد فتح پوری میں نماز کیلئے گئے تو مسلمان ایک کثیر تعداد میں وہاں جمع ہو گئے اور ان کی جان کو خطرہ ہو گیا۔ ۲۴ بقول شاہ عبدالعزیز "ایک شخص نے والد ماجد سے شیعوں کے کافر ہونے کے متعلق فتویٰ پوچھا۔ آپ نے کہا کہ علماء حنفیہ میں اس پر اختلاف ہے۔ جب دوسری مرتبہ یہی سوال ہوا اور یہی جواب ملا تو اس نے کہا کہ یہ شخص شیعہ ہے۔" ۲۵ جہاں تک محبت اہل بیت کا تعلق ہے تو شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں کہ "میری طبیعت اور میری فکر کو جب اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فضیلت دیں۔ ۲۶ ان حالات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس دور میں عزاداری امام حسین بھی متاثر ہوئی ہو گی۔

شاہ عبدالعزیز نے سرّ الشہادتین لکھی۔ اس کتاب کی بنیاد پر بعض لوگ شاہ عبدالعزیز کو شیعہ تصور کرتے تھے۔ ۲۷ ملفوظات کے مطابق "حافظ آفتاب میرے درس میں شامل ہوتے تھے ایک روز حضرت علیؑ کا ذکر شروع ہوا۔ حضرت علیؑ کے مناقب بیان کرنے شروع کر دئے۔ اس روہیلہ پٹھان نے شیعہ سمجھ کر درس میں آنا موقوف کر دیا۔ ۲۸ اس کے بعد شاہ عبدالعزیز نے ۹۰-۱۷۸۹ء میں تحفہ اثنا عشریہ لکھی جو شیعی عقائد کے رد میں تھی۔ اس کے دیباچہ میں شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں کہ "اس کتاب کی تالیف کی غرض اور ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ جس دور سے ہم گذر رہے ہیں اور جس زمانے میں ہم زندگی گذار رہے ہیں اس میں اثنا عشریہ کا غلبہ اور شہرہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ بہ مشکل کوئی گھر ایسا ہو گا جس میں کوئی نہ کوئی شخص یہ مذہب اختیار نہ کر چکا ہو یا اس سے متاثر نہ ہوا ہو۔" ۲۹

شاہ عبدالعزیز کا یہ جملہ دعوت فکر دیتا ہے کہ آخر ایسے کون سے محرکات تھے کہ جن کی وجہ سے شیعی عقائد کو اس درجہ فروغ حاصل ہوا۔ اس لئے کہ جس دور کی بات شاہ عبدالعزیز کر رہے ہیں اس میں شیعہ مجتہدین کا وجود بھی نہ تھا۔ دراصل ان عقائد کی تبلیغ صوفیائے کرام نے کی تھی اور وہ یہی کہ محبت اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جیسا کہ خود شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے ساتھ واقعات ان کے مذہبی رجحانات اور مناقب حضرت علی بیان کرنے کے سلسلے میں پیش آئے۔ صوفیاء نے جس اسلام کی تبلیغ کی وہ قرآن، سنت نبویؐ اور محبت اہل بیت پر مبنی تھا۔ اسی کی تبلیغ حضرت معین الدین چشتی، حضرت بہاءالدین سہروردی، حضرت نظام الدین اولیاء، میر سید علی ہمدانی سید شرف الدین شاہ ولایت، سید شاہ اشرف سید جہانگیر سمنانی سید محمد گیسودراز اور دوسرے صوفیائے کرام نے کی تھی۔ یہ شیعہ مجتہدین و علماء کا کارنامہ نہیں اس لئے کہ یہ ان کے وجود سے بہت پہلے کی بات ہے۔ تحفۂ اثنا عشریہ کے جواب میں حکیم مرزا محمد کامل، شہید رابع نے نزھۃ اثنا عشریہ لکھی اور مولوی سید دلدار علی شیعہ مجتہد اول نے ذوالفقار لکھی۔ بس اب کیا تھا کہ مناظرے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس مناظرے نے بھی عزاداری امام حسین کو نقصان پہونچایا۔ حالات کو مزید سنگین بنانے کے لئے کچھ من گھڑت روایات لکھی گئیں تاکہ شیعہ سنی اختلافات میں مزید اضافہ ہو اور شدت اختیار کریں۔ امیر شاہ خاں امیر الروایات میں شاہ عبدالعزیز کے متعلق اس طرح روایت بیان کرتے ہیں کہ "اس زمانے میں روافض کا نہایت غلبہ تھا۔ چنانچہ دہلی میں نجف علی خاں کا تسلط تھا جس نے شاہ ولی اللہ کے پہنچے اتروا کر انہیں بیکار کر دیا تھا تاکہ وہ کوئی کتاب نہ لکھ سکیں۔ شاہ عبدالعزیز کو دہلی سے نکلوا دیا تھا۔ شاہ عبدالعزیز جونپور پیدل گئے کیونکہ ان کو سوار ہونے کا حکم نہ تھا۔"[۳۰] اس روایت کو اکابر سنی

علماء مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد میاں اور مفتی انتظام اللہ شہابی نے شاہ عبدالعزیز کی سوانح کے تحت اپنی کتابوں میں بھی نقل کیا ہے۔ ۳۱؎ دہلی پر نجف خاں کا اقتدار ۱۷۷۲ء سے ۱۷۸۲ء تک رہا۔ شاہ ولی اللہ انتقال ۱۷۶۲ء میں ہو چکا تھا۔ ۳۲؎ دوسرے یہ کہ بنیادی طور پر پہنچے اتروانے کا ذکر شاہ ولی اللہ کے کسی معاصر نے نہیں کیا۔ شاہ عبدالعزیز نے تحفۂ اثنا عشریہ ۹۰-۱۷۸۹ء میں تصنیف کی جب کہ نجف خاں کا انتقال ۱۷۸۲ء میں ہو چکا تھا۔ ۳۳؎ شاہ عبدالعزیز کے پیدل جونپور جانے کا تذکرہ بھی ان کے کسی اور معاصر نے نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ جب لوگوں نے اس طرح کی روایات ان علماء کے بارے میں پڑھی ہوں گی تو ان کی نفرت میں مزید اضافہ ہوا ہوگا جب کہ یہ روایت تاریخی شواہد کی روشنی میں قطعی بے بنیاد معلوم ہوتی ہیں۔

فارسی ادب میں تو اہل بیت سے عقیدت بہت صاف صاف جھلکتی ہے۔ لیکن اس دور کے اردو ادب میں بھی اہل بیت نبیؐ سے عقیدت حد درجہ نظر آتی ہے۔ میر جعفر زٹلی حضرت علی سے عقیدت کا اظہار ان اشعار میں اس طرح کرتے ہیں۔

کیوں نہ جعفر ہو ثنا خوان شہ خیبر کا　　صدق باطن سے ہوا خاک در خیبر کا
ہے نہ وسواس اسے بھوت وسیہ اژدر کا　　روز و شب یاد رکھے نام علی حیدر کا

میر تقی میر ان الفاظ میں مدح سرائی کرتے ہیں

ہادی علیؑ، رفیق علیؑ، رہنما علیؑ　　یاور علیؑ، محمد علیؑ، آشنا علیؑ
مرشد علیؑ، کفیل علیؑ، پیشوا علیؑ　　مقصد علیؑ، مراد علیؑ، مدعا علیؑ

مرزا غالب اپنے کلام میں حضرت علیؑ سے اپنی عقیدت کا اظہار ان اشعار میں اس طرح کرتے ہیں۔

ارزندہ گوہرے چوں من اندرزمانہ نیست
خود را بخاک رہگذر حیدر افگنم

ساغرپئی صبوح لبالب کنم زمئے چوناں کہ لب زمزمئے یاابوالحسن
چوبرگ گل زبادسحر گاہی ام زباں رقصد بنام حیدر کرار در دہن

چھنولال دلگیر نے مراثی لکھے۔ جس میں سے ایک مرثیے کا مطلع ہے۔

پہونچے امیر شام کی مجلس میں جب اسیر

اس مرثیے میں ان حالات کی بڑے دل سوز انداز میں عکاسی کی ہے کہ جو اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس لٹے ہوئے قافلے کی پیشی کے وقت یزید کے دربار میں پیش ہوئے۔

علامہ اقبالؔ ٹوٹے ہوئے خانقاہی نظام میں دوبارہ زندگی بیدار کرنے کے لئے اس طرح سے ترغیب دیتے ہیں

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

مولانا محمد علی ان الفاظ میں مسلمانوں میں تحریک پیدا کرنے کے لئے نعرہ بلند کرتے ہیں۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

مولانا ابو الکلام آزاد نے ایک کتاب "شہید کربلا" لکھی۔ لیکن ان دونوں حضرات کے ہاں ایک مقام پر حد درجہ تضاد نظر آتا ہے۔ امام حسین کا احتجاج اور اس کے نتیجہ میں ان کی شہادت ملوکانہ موروثی نظام کے قیام کے خلاف بغاوت تھی۔ وہ دونوں علماء

یعنی مولانا محمد علی اور مولانا آزاد امام حسینؑ سے توحد درجہ عقیدت رکھتے تھے لیکن ان دونوں حضرات نے غیر اسلامی ملوکانہ موروثی نظام کو نہ صرف خلافت کا نام دیا بلکہ اس کی حیات کو باقی رکھنے کیلئے ہندوستان میں خلافت تحریک چلائی۔ ان علماء کے یہ دونوں عمل قطعی طور پر متضاد تھے۔ مولانا شبلی نعمانی نے معرکۃ الآرا کتاب ''موازنہ انیس و دبیر'' لکھی۔

اب برٹش راج کا ہندوستان پر پوری طرح تسلط ہو گیا۔ صوفی تحریک میں ضعف واضمحلال کے آثار پہلے ہی نمایاں ہو چکے تھے۔ ہندو مسلم نفرت سترھویں صدی عیسوی کے اختتام سے شروع ہو چکی تھی۔ بقول سر سید احمد خاں ''اس برادرانہ محبت سے جو آپس میں تھی ۱۷۷۹ء میں عالمگیر کے عہد میں یہ محبت ٹوٹ گئی اور بہ سبب مقابلہ سرکشی قوم ہنود شیواجی مرہٹہ وغیرہ کے عالمگیر جملہ قوم ہنود سے ناراض ہوا اور اپنے صوبہ داروں کے نام حکم بھیجے کہ جملہ قوم ہنود کے ساتھ سخت گیری سے پیش آئیں اور ہر ایک سے جزیہ لیں پھر جو نفرت اور ناراضی رعایا کو ہوئی وہ ظاہر ہے۔'' اب اسکو برٹش سرکار کی سرپرستی میں مزید تقویت ملنا شروع ہوئی۔ مسلمانوں کے درمیان شیعہ سنی اختلافات اپنے عروج پر پہونچ گئے۔ انگریز اپنی حکومت کے قیام اور اس کے استحکام کے لئے ہندو مسلم نفرت اور شیعہ سنی اختلافات سے سیاسی فائدے اٹھانے کی ایک جامع اسکیم تیار کر چکے تھے۔ اس فرقہ پرستی نے ہندوستانی سیاست' سماج اور ثقافت کو مزید کمزور بنادیا تھا۔ ہندوستانیوں کے سامنے ان مسائل کا کوئی حل نہ تھا اور نہ ہی ان کا کوئی رہبر یار ہنما تھا جو انہیں اس دلدل سے نکال کے لے جاتا۔ ان تمام ابتر حالات کی وجہ سے عزاداری امام حسینؑ بھی متاثر ہوئی۔ صوفیاء نے اپنی کوششوں سے یوم عاشورا کو ہندوستان میں تمام ہندوستانیوں کے لئے ایک غم کا دن بنادیا تھا' اس دن ہر ہندو اور مسلمان اپنے کاروبار کو بند رکھتا اور امام حسینؑ کی

شہادت کو یاد کرتا تعزیوں کے جلوس نکالتے اور کربلا کے پیاسوں کی یاد میں شربت کی سبیلیں لگاتے۔ ابھی حال ہی میں انڈیا آفس لائبریری لندن میں ایک مخطوطہ مرأت الاحوال جہاں نما کے مطالعہ کا موقع ملا۔ ۱۸۰۶ء کے حوالے سے جمشید پور کے متعلق لکھا ہے کہ "تمام ہندو اور مسلمان تعزیہ داری کرتے اور ایام عشرہ محرم میں کوئی بھی شخص چاہے مالدار ہو یا غریب شہر کے اندر سواری پر نہیں چل سکتا تھا۔ اگر کوئی شخص سواری پر غلطی سے بھی چلتا تو ہندو اور مسلمان دونوں مل کر اس کو ذلیل کرتے اور اس کو مجبور کر دیتے کہ وہ پیدل چل کر راستہ طے کرے۔" [۳۴] اب ایسا انقلاب آیا کہ اسی یوم عاشورا کو محرم کا جلوس ایک مسئلہ بن گیا۔ محرم کا جلوس لے کر ہندو مسلم فرقہ وارانہ فسادات ہونے لگے اور آہستہ آہستہ یہ سلسلہ محرم کے جلوس کی بنا پر شیعہ سنی فسادات تک پہونچ گیا اور خود ہندوستان میں ہی یوم عاشورا پر کربلا جیسے واقعات پیش آنے لگے۔ مدح صحابہ اور تبریٰ ایجی ٹیشن شروع ہوئے۔ ہزاروں سنی اور شیعہ جیل گئے اور اس طرح شیعوں اور سنیوں کے درمیان ایک خلیج قائم ہو گئی۔ تبریٰ ایجی ٹیشن کی حمایت سید علی ظہیر نے کی اور مدح صحابہ کا مسئلہ مولانا حسین احمد مدنی نے اٹھایا اور عجیب بات ہے کہ دونوں ایک ہی وقت میں یوپی کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔ اس سے نہ صرف عزاداری امام حسینؑ متاثر ہوئی بلکہ آزادی کی تحریک بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس کے بعد سنیوں کے تعزیوں کے جلوس علیحدہ اور شیعوں کے جلوس علیحدہ علیحدہ نکلنا شروع ہو گئے اور ہندوؤں نے تو اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ کچھ مورخین اور دانشوروں کا کہنا ہے کہ یہ اختلافات سترھویں صدی کے اختتام سے ہی شروع ہو گئے تھے البتہ انگریزوں کے آنے کے بعد ان کی پالیسیوں کے نتیجے میں مزید شدت اختیار کر گئے۔ صوفیاء نے ترکیبی حکمت

عملی سے عزاداری امام حسین کو وسعت دی تھی جس میں بلا تفریق مذہب وملت تمام ہندوستانی شریک ہوتے تھے۔ صوفی تحریک کمزور ہوئی، صوفیاء کے اثرات کم ہونا شروع ہوئے اور اب عزاداری امام حسینؑ علماء کے ہاتھوں میں پہنچی۔ علماء نے عزاداری امام حسینؑ کے سلسلے میں تحلیلی رویہ اپنایا جس کے نتیجے میں عزاداری امام حسین محدود ہوتی چلی گئی۔ علماء نے ایک خاص تبدیلی اس نظام کے سلسلے میں یہ کی کہ عزاداری امام حسین کے مرکز کے نام کو امام باڑے سے تبدیلی کر کے امام بارگاہ اور حسینیہ کر دیا۔ اس نام کی وسعت اور ہندوستانیت کو ختم کر کے عربیت اور فارسیت لا دی۔ اور اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ ایسا نہ تھا کہ صوفیاء عربی و فارسی نہ جانتے تھے۔ انہوں نے اس کا نام امام باڑہ بڑی غور و فکر کے بعد رکھا تھا۔

اورنگزیب نے ۱۶۹۴ء میں علماء صوفیاء اور سادات کو دی ہوئی مدد معاش کو موروثی زمینداری میں بدل دیا تھا جس کے نتیجے میں علماء صوفیاء اور سادات کے خاندانوں سے تعلق رکھنے والے زمیندار بن گئے تھے' اور آہستہ آہستہ اپنے موروثوں کے راستے کو چھوڑ کر زمیندارانہ اقدار کے حامل ہو گئے۔ برٹش راج میں بھی مسلمان زمیندار بنے اور خاص طور سے سادات' سادات امروہہ' سادات جلالی' سادات سرسی' سادات مظفر سے تعلق رکھنے والے زیادہ تر سادات کو اس پر فخر حاصل ہے کہ ان کے اجداد زمیندار تھے۔ خود میرے ہی مورث سید شاہ خیرات علی کو ان کے قائم کردہ امام باڑے کے لئے نواب شجاع الدولہ نے معافی دی جس کو بعد میں زمینداری کی حیثیت میں منتقل کر دیا گیا۔ علماء نے اس زمیندارانہ نظام پر کچھ توجہ نہ دی اور انہوں نے بھی اپنے آپ کو اسی زمیندارانہ نظام میں ضم کر لیا۔ انہوں نے بھی نوابان اودھ سے بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں۔ بغیر اس

مسئلہ پر غور کئے ہوئے کہ یہ نوابی اور زمینداری ملکویت ہی کا ایک اہم جزو ہے اور خود ملکویت ایک غیر اسلامی ادارہ ہے' علماء اور سادات کا زمیندار بننا اتباع اہل بیت نہ تھا۔ امام حسینؑ کا احتجاج اسی ملوکانہ موروثی نظام کے خلاف تھا۔ اور اسی احتجاج کے نتیجے میں شہادت پائی۔ اس زمینداری کو اپنے خاندانوں میں محفوظ رکھنے کے لئے انہوں نے بھی جو وقف نامے وقف علی الاولاد کئے ان میں پسر اکبر کو اسی بنا پر متولی بنایا اور باقی تمام بیٹوں کو ان کے شرعی حقوق سے محروم کر دیا گیا اور اسی طرح سے فقہ جعفری کی پیروی کے بجائے ملوکیت کے پیرو رہے اور اس کے برخلاف وقف فی سبیل اللہ جائدادوں کو آپس میں تقسیم کر لیا جب کہ وقف فی سبیل اللہ جائداد زمینداری کے تحت نہیں تھی اور اسی وجہ سے قابل تقسیم بھی نہ تھی۔ اس کے نتیجے میں بہت سے امام باڑے وقف فی سبیل اللہ جائدادوں سے محروم ہو گئے۔ لیکن سادات بھی مودۃ القربیٰ کے پیرو تھے اور عزاداری امام حسینؑ ان کے عقیدہ کا ایک اہم جزو تھی۔ انہوں نے بڑے عالی شان امام باڑے تعمیر کرائے اور اس میں بیلجیم کے جھاڑو فانوس آویزاں کئے اور بڑی شان سے عاشورہ محرم کی عزاداری منعقد کی اور اس طرح سے آہستہ آہستہ صوفیاء کی قائم کی ہوئی خلوص نیت اور سادگی پر منحصر عزاداری امام حسینؑ نے بھی اب زمیندارانہ شان و شوکت اختیار کر لی۔ اس زمیندارانہ طریقہ نظام عزاداری امام حسین سے اس کی معنویت کو سخت نقصان پہونچا۔ اس لئے کہ دونوں اداروں' عزاداری اور زمینداری کا مزاج ایک دوسرے سے قطعاً مختلف تھا بلکہ یہ دونوں ادارے ایک دوسرے کی ضد تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں شیعہ علماء و مجتہدین نے قوم کی سیاسی اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے سماج کے مطالعے کے بعد یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے کہ شیعہ فرقے سے

تعلق رکھنے والے افراد میں مذہبی جذبہ تو تھا' وہ ایک اچھے حکمراں بھی تھے لیکن سیاسی شعور بالکل نہ تھا۔ اٹھارویں صدی سے لے کر موجودہ انقلاب ایران تک جو آیت اللہ خمینیؒ کی رہبری میں وجود میں آیا' ہندوستانی شیعہ علماء اور مجتہدین نے سیاسی اصلاح اور اس سے متعلق فکر پیدا کرنے کے سلسلے میں ایک کتاب بھی نہیں لکھی۔ ان علماء اور مجتہدین نے اپنے آپ کو نوابوں اور زمینداروں سے ہی وابستہ رکھا اور اسی نظام کا حصہ بن گئے۔ سیاسی اصلاح ان کی تقاریر کا بھی موضوع نہیں رہی' بلکہ ہندوستان اور بعد میں پاکستان کے زیادہ تر شیعہ علماء اور مجتہدین ایران کے موروثی شہنشاہ آریامہر سے مرعوب رہے۔ یہ تو اب ایران کے انقلاب کے بعد ہندوستانی اور پاکستانی شیعہ علماء نے اسلامی جمہوریہ کی بات کرنی شروع کی ہے۔ بچپن میں میرے کان اس اصطلاح سے قطعی نا آشنا رہے۔ میں نے تو اپنے وطن جلالی میں کبھی کسی عالم دین کو اس موضوع پر تقریر کرتے نہیں سنا۔ بالکل ایسی ہی حالت اہل سنت کی بھی ہے کہ ان کی بھی ایک کثیر تعداد سعودی عرب کے موروثی شاہوں سے متاثر ہے۔ ہاں اس دور میں اس مسئلہ پر ایک سنی عالم مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے قلم اٹھایا اور خلافت و ملوکیت نام کی کتاب لکھی۔ میں اس کو ان کا ایک بڑا کارنامہ سمجھتا ہوں۔

صوفیاء نے امام باڑوں کے دروازے بلا تفریق مذہب و ملت سب کے لئے کھول دئے تھے اور ایک کثیر تعداد مجالس ایام عاشورہ محرم میں شریک ہوتی۔ اب حسینیہ اور امام بارگاہ کے دروازے بھی سب کے لئے کھلے رہے لیکن ہندوؤں اور سنیوں نے ان مجالس میں شرکت کرنی قطعاً بند کر دی۔ یہاں یہ بات واضح کرنا چاہوں گا کہ امام باڑے کے نام کو بڑے شہروں میں حسینیہ اور امام بارگاہ کر دیا گیا۔ جیسے لکھنؤ میں امام باڑہ غفراں مآب کو اب

زیادہ تر حسینیہ غفراں مآب لکھا جانے لگا ہے یا پاکستان میں کراچی جیسے شہر میں امام باڑے امام بارگاہ کہلانے لگے لیکن ان قصبات میں جن کے مورث اعلیٰ صوفیائے کرام تھے اور انہوں نے ہی وہاں بنائے عزاداری محرم ڈالی تھی وہاں آج بھی ان کا نام باڑہ ہی ہے۔ خود میرے وطن جلالی میں کسی امام باڑے کو حسینیہ یا امام بارگاہ آج تک نہ تو کہا گیا اور نہ لکھا گیا۔ دوسرے ان قصبات میں عزاداری امام حسین کو لے کر کسی بھی دور میں ہندو مسلم یا شیعہ سنی فساد نہیں ہوا۔ زمینداروں کے امام باڑوں میں سفید چاندنی کا فرش ہوتا۔ اشراف اس فرش پر بیٹھتے اور دیلی پر دری کا فرش ہوتا جس پر مزدور وغیرہ بیٹھتے جو ان امام باڑوں میں نبیؐ کے نواسے کا پرسہ دینے کے لئے آتے تھے۔ صوفیاء نے ان مجالس کی بنیاد اسلامی مساوات اور اخوت پر قائم کی تھی۔ اب تفریق پیدا کر دی گئی۔ صوفیاء عزائے حسین کے ذریعے تبلیغ اسلام کر رہے تھے اس لئے کہ اس ملوکانہ نظام نے مسلمانوں میں مساوات کو ختم کر دیا تھا۔ مساوات صرف مساجد تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ بقول اقبالؔ

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

اس لئے کہ محمود غزنوی اور اس کا غلام ایاز صرف نماز کے وقت برابر اور باقی زندگی میں وہ بندہ اور محمود بندہ نواز تھے۔ وہاں مساوات نہ تھی۔ صوفیاء ان خانقاہوں اور امام باڑوں میں لوگوں کو ایک جگہ بٹھا کر مسلمانوں میں تفریق کو ختم کر کے اسلامی مساوات کی جڑوں کو مضبوط کر رہے تھے جس کو مسلمانوں کے موروثی ملوکانہ نظام نے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

عزاداری امام حسین نے ایک موڑ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند اور خاتمہ زمینداری کے

بعد لیا جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ شیعہ علماء نے سیاسی رہنمائی یا اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ علمائے دیوبند نے تو قیام پاکستان کی ببانگ دہل مخالفت کی لیکن شیعہ علماء خاموش رہے۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کا بٹوارہ ہو گیا۔ اب کیا کرنا ہے۔ کس طرف جانا ہے؟ علماء و مجتہدین کی طرف سے کوئی جواب اور نہ ہی اس کا کوئی حل۔ نتیجتاً شیعہ فرقے سے تعلق رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد پاکستان چلی گئی اور آج وہ اس غلطی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ ہندوستان جیسے جمہوری ملک کو چھوڑ کر جانا صحیح فیصلہ نہ تھا۔ ان تمام حالات کا اثر عزاداری امام حسین کے نظام پر بھی پڑا۔ بعض امام باڑے سونے ہو گئے اور ان کی عمارتیں شکستہ ہو گئیں۔ بعض امام باڑوں پر کسٹوڈین کا قبضہ ہو گیا۔ دوسرا مسئلہ خاتمہ زمینداری نے پیدا کر دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ زمیندارانہ دور کی عزاداری کا نظام کیسے چلے گا' اس لئے کہ صوفیاء کی قائم کی ہوئی خلوص دل اور سادگی پر مبنی روایات کو تو زمیندارانہ کروفر نے بہت پہلے ہی ختم کر دیا تھا۔ صوفیاء نے عزاداری امام حسین کو مزدور فن کار اور کاریگروں اور ان کے جذبہ کے ساتھ جوڑ دیا تھا اور انہوں نے اپنے آپ کو اس نظام میں ضم کر لیا تھا۔ زمیندارانہ دور کی عزاداری داد و دہش اور بے گار پر مبنی تھی۔ خاتمہ زمینداری کے بعد معاشی بحران شروع ہوا تو نہ تو داد و دہش رہی اور نہ ہی بے گار لینے کی قوت۔ اب مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ کہار کہاں سے ملیں گے۔ مراثیوں کو کہاں سے رقم دی جائے گی' مزدوروں کو مزدوری کون دے گا وغیرہ وغیرہ اس معاشی بدحالی کے دور میں کچھ دنوں تک تو دکھاوے پر پرانے نظام کو گھسیٹنے کی کوشش کی گئی لیکن آخر میں سادگی پر اتر آئے۔ لیکن عزاداری امام حسین حد درجہ محدود ہو چکی تھی۔ اس کے بعد ثقافتی بحران کا دور شروع ہوا۔ زبان و ادب کا مسئلہ پیدا ہوا۔ اردو کے مقابلے میں دوسری زبانوں کو معاش سے جوڑ دیا گیا لہٰذا زبان کی

مجبوریاں پیدا ہوئیں۔ نوحہ۔ جو اپنے معنی کے اعتبار سے نوحہ ہی ہونا چاہئے اس کی طرز کو گانے کی طرز سے ملادیا گیا۔ پہلے نوحہ پڑھنے سے جو حزن وملال پیدا ہوتا تھا اس کی جگہ فرحت کا احساس ہونے لگا۔ ظاہر ہے کہ جب نوحے کے معنی ہی نہیں جانتے تو اس کی روح کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ نئی نسل اور آنے والی نسلیں اس زبان وادب سے قطعی طور پر ناواقف ہیں کہ جس میں عزاداری امام حسین سے متعلق ذخیرہ موجود ہیں۔

اب اکیسویں صدی پورے نظام زندگی کے لئے ایک چیلنج لے کر آرہی ہے۔ جہاں اور چیزیں متاثر ہوں گی وہاں نظام عزاداری بھی متاثر ہوگا۔ اس میں سب سے بڑا مسئلہ وقت کا ہوگا؟ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء' مجتہدین اور دانشور' اس آنے والی زندگی کے سوالات کے بارے میں غور وفکر کریں اور باقاعدہ طور پر اس ایجنڈے پر قومی کانفرنس منعقد کریں تاکہ ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش ابھی سے کی جاسکے۔ اس طرح کا رویہ نہ اپنائیں جو ہم نے تقسیم ہند اور خاتمہ زمینداری کے مسائل سے متعلق اپنایا تھا۔ اس لئے کہ ابھی وہ نسل موجود ہے جس نے تقسیم ہند اور خاتمہ زمینداری کے بعد کے معاشی بحران کو دیکھا تھا اور اس سے پیدا ہونے والے مختلف مسائل کی وجہ سے صعوبتیں برداشت کی تھیں۔

ظاہر ہے کہ مذہبی عقیدہ تو اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ عزاداری امام حسین تو ہمیشہ قائم ودائم رہیگی۔ لیکن جب کوئی بھی مذہبی عقیدہ کسی سماج کا حصہ بن جاتا ہے تو تاریخ اور سماجیات کے طالب علم کی حیثیت سے ہم اس کے مختلف مراحل ابتداء' فروغ اور اس کے انحطاط کا مطالعہ ان تینوں حیثیتوں میں کرتے ہیں۔ ہندوستان میں عزاداری امام حسین کا قیام اور اس کا فروغ صوفیائے کرام کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ اور جس طرح سے صوفیاء

نے عزاداری امام حسین کو ہندوستانی سماج میں وسعت بخشی اس حد تک اسے ہندوستانی سماج و ثقافت کا ایک جزو بنادیا۔ جس میں ہندو اور مسلمان خلوص دل سے شریک ہوئے۔ مسلمان تو رسولؐ کے پیرو تھے اور محبت اہل بیت کو اجر رسالت سمجھ کر عزاداری میں شامل ہوتے لیکن ہندو تو اپنے دھرم پر قائم رہتے ہوئے حسین کے پجاری بن گئے یہ ان صوفیاء کی کرامت ہی کہی جاسکتی ہے۔ صوفی تحریک کمزور ہوئی' علماء کے درمیان مناظرہ شروع ہوا' عزاداری امام حسین کو زمیندارانہ نظام کا حصہ بنادیا گیا' ہندو مسلمانوں اور شیعہ اور سنیوں میں اختلافات پیدا ہوئے اور اس سب کا فائدہ برٹش حکمرانوں نے اٹھایا۔ ان تمام وجوہ سے عزاداری امام حسین کو سخت نقصان پہنچا۔ آج شیعوں میں بھی تفریق پیدا ہوگئی۔ یہ سیدوں کا امام باڑہ ہے' یہ جولاہوں کا امام باڑہ ہے اور یہ فقیروں کا امام باڑہ ہے۔ اس سے عزائے حسین کو مزید نقصان پہنچ رہا ہے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیرو رہیں گے اس وقت تک عزاداری امام حسین قائم رہے گی۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء اس عزاداری امام حسین میں صوفیاء کی طرح اسلامی مساوات کے اصول کو قائم کریں تاکہ جملہ مسائل حل ہو سکیں۔

☆☆☆

حوالہ جات:


۱۔ میر سید علی ہمدانی' مودۃ القربیٰ' قلمی نسخہ 'کتب خانہ سید شاہ خیرات علی' جلالی ضلع علی گڑھ۔

تفصیل کے لئے حکیم سید محمد کمال الدین حسین' صاحب مودۃ القربیٰ

۲۔ حکیم سید محمد کمال الدین حسین' ذخیرہ جلالی کے چار اہم مخطوطات' خدا بخش

جرنل ۶۹-۷۴، صفحہ ۱۲۷

۳ سید نوراللہ شوستری، مجالس المومنین، قلمی نسخہ انڈیا آفس کلکشن، لندن، اس مخطوطے کے آخر میں قاضی سید نوراللہ شوستری کی اپنے قلم سے تحریر موجود ہے۔

۴ حسن علی کربلائی، تحفۃ العوام، یہ سال بھر کے اعمال پر مشتمل کتاب ہے۔ کوئی گھر اہل تشیع شاید ہی ایسا ہو کہ جس میں یہ کتاب موجود نہ ہو۔

۵۔ عزاداری امام حسین سے متعلق اس میں کوئی باب نہیں اور نہ ہی عزاداری امام حسین سے متعلق رسومات کا اس میں کہیں ذکر۔

۶۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کا تعلق صوفیاء کے چشتی سلسلے سے تھا۔ وہ تیرھویں صدی عیسوی میں حضرت معین الدین چشتی کے خلیفہ تھے۔ ان کی درگاہ دہلی میں مہرولی میں قطب مینار کے نزدیک واقع ہے۔

میر سید علی ہمدانی کے بزرگوں میں سے میر کمال الدین ہمدانی، مغل بادشاہ ہمایوں کے عہد میں سولہویں صدی عیسوی میں کشمیر سے جلالی تشریف لائے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ سادات جلالی انہیں کی نسل سے ہیں۔ جلالی میں عزاداری امام حسین کا قیام اسی دور میں وجود میں آیا۔ نواب شجاع الدولہ نے اسی خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ سید شاہ خیرات علی کو عزاداری امام حسین کے مصارف کے لئے پانچ گاؤں ضلع ایٹہ میں دیئے۔ جلالی کی عزاداری میں جن چیزوں میں صوفیاء کی جھلک ملتی ہے وہ ہیں امام باڑے، مجلس خوانی، ہندو اور مسلمانوں کا عزاداری امام حسین میں شریک ہونا۔ جلالی میں عزائے حسین کو لے کر آج تک کوئی بھی جھگڑا نہیں ہوا جبکہ جلالی سے انیس کلو میٹر دوری پر علی گڑھ میں اکثر عزائے حسین کو لے کر مسئلہ بنا۔ جلوس پر پابندی لگی اور کچھ برسوں تک جلوس نہ نکل سکا۔

۷۔ بیسویں صدی میں جرمنی کے ماہر تعلیم کرسن ٹیر نے تعلیم کو حرفے سے جوڑنے کی سب سے پہلے تھیوری پیش کی۔ ہندوستان میں گاندھی جی نے آزادی کی تحریک میں بھی اس کا

استعمال کیا۔ڈاکٹرذاکر حسین نے اس کو بنیادی تعلیم کے نصاب میں شامل کر کے قومی تعلیم کا ایک منصوبہ ۱۹۳۷ء میں واردھا میں پیش کیا۔


۸۔ درگاہ علی خاں۔مرقعہ دھلی۔فارسی مخطوطہ'سالار جنگ میوزیم'حیدر آباد'ایف اے۔ بی ۵۶'۸اور ۵۸۔

۹۔ ضیاءالدین برنی'تاریخ فیروز شاھی'لاہور ۱۹۸۳'صفحہ ۴۶

۱۰۔ سیدابوالاعلیٰ مودودی' خلافت وملوکیت' دہلی

۱۱۔ اقتدار عالم خاں' امرائے عهد اکبر اور اس کی مذهبی پالیسی کا ارتقاء صفحات ۳۲-۳۶

۱۲۔ قاضی جاوید' هندی مسلم تهذیب'لاہور ۱۹۹۵'صفحہ ۲۴

۱۳۔ عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ'جلد سوم'صفحات ۱۳۷-۳۸

۱۴۔ سید محمد عزیزالدین حسین: قاضی سید نور الله شوستری ' ایك سوانحی خاکه' اسلام ان دی چینجنگ ورلڈ'جلد ۲'۱۹۹۳'صفحات ۲۹-۳۱

۱۵۔ اورنگزیب' احکام عالمگیری'لاہور'۱۹۹۳ء'صفحات ۱۳۴-۱۳۶

۱۶۔ ایضاً صفحہ ۱۳۴

۱۷۔ ایضاً صفحہ ۱۳۵

۱۸۔ محمد صادق طبقات عالمگیری'مخطوطہ نیشنل میوزیم'نئی دہلی'ایف ۱۸۵ایف

۱۹۔ فرزند علی مونگیری'ملخص التواریخ'مخطوطہ نیشنل میوزیم'نئی دہلی'ایف ۳۸ اے۔

۲۰۔ قاضی جاوید'صفحہ ۲۴۰

۲۱۔ ایضاً ۲۴۱

۲۲۔ شیخ محمد اکرام'رودکوثر'لاہور'۱۹۸۲ء صفحہ ۵۳۴

۲۳۔ قاضی جاوید، صفحہ ۲۴۱

۲۴۔ ایضاً صفحہ ۲۴۳

۲۵۔ ایضاً ۲۴۲

۲۶۔ شیخ محمد اکرام ۵۷۵

۲۷۔ ڈاکٹر ثریاڈار، شاہ عبد العزیز اور ان کی علمی خدمات، لاہور، ۱۹۹۱ء صفحہ ۱۲۴

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ شاہ عبدالعزیز تحفہ اثناء عشریہ، صفحات ۳-۴

۳۰۔ ڈاکٹر ثریاڈار، صفحہ ۱۲۲

۳۱۔ ایضاً ۱۲۲

۳۲۔ ایضاً ۱۲۲

۳۳۔ ایضاً ۱۲۲

۳۴۔ مولانا محمد تقی۔ مرأت الاحوال جہاں نما، فارسی مخطوطہ، انڈیا آفس کلکشن، لندن، الیف ۱۱۸ اے۔

☆☆☆☆☆